© rasailojaraid.com

مراسلہ: ابو عبید

مسلمانانِ کوسوو کی حالتِ زار اور انکا جذبۂ ایمانی

(کوسوو کے کھنڈرات سے ایک قاری "الحق" کا مراسلہ)

جنگ بلقان کے بعد جب یورپ کی عیسائی طاقتوں نے عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کئے تو کوسوو جو کہ ایک واضح مسلم اکثریتی علاقہ تھا کو علیحدہ مملکت یا مسلم البانیہ کا حصہ بنانے کے بجائے عیسائی سربیا کا حصہ بنا دیا گیا۔ بعد میں سربیا، مقدونیہ، مانٹی نیگرو، بوسنیا اور کروشیا کو ملا کر یوگوسلاویہ کی مملکت وجود میں لائی گئی۔ متعصب عیسائی قوتوں نے منظم طریقے سے کوسوو کے مسلمانوں کا استحصال کیا۔ مسلمانوں کو نقل مکانی پر مجبور کر کے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر کے اور ان پر عیسائیوں کو آباد کیا گیا۔ جب دوسری جنگ عظیم کے بعد مارشل ٹیٹو کی قیادت میں کمیونسٹوں نے اقتدار سنبھالا تو قومیت اور اشتراکیت کی بنیاد پر کوسوو کے مسلمانوں پر مزید ظلم ڈھائے گئے۔ یہاں تک کہ انکی مقامی زبان میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی بند کیا گیا۔ کوسوو نہ صرف ایک مسلمان خطے کی صورت میں انکو قابل قبول نہیں تھا بلکہ یہاں کی معدنی دولت جن میں کوئلہ، جست، چاندی، سونا، نکل اور تانبے کی کانیں سر فہرست ہیں کو بھی کسی صورت میں گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ کوسوو کے مسلمان 1870ء کے لگ بھگ سے اس آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں جب یوگوسلاویہ کی تمام ریاستوں نے خود مختاری حاصل کی تو کوسوو کے مسلمانوں نے بھی آزاد مملکت کا مطالبہ کیا۔ اس پر عیسائی سربوں نے ظلم کی انتہا کر دی۔ اسی ہزار سے زیادہ باشندوں کو شہید کیا گیا۔ ہزاروں مسلمان اب بھی سربیا کی جیلوں میں بند پڑے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیئے گئے۔ ہجرت کے راستے بند کرنے کیلئے سرحدی علاقوں میں بارودی سرنگیں بچھائی گئیں۔ معاشی قتل کیلئے بیک جنبش تمام مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے نکال دیا گیا۔ مسلمانوں کی میونسپلٹیوں کے تمام اختیارات مرکز نے سنبھال لئے۔ جائداد کی خرید و فروخت اور کاروبار کیلئے لائسنس کے شرائط تبدیل کر دیئے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سال بالآخر ان مظالم کا راستہ روکنے کیلئے بین الاقوامی برادری حرکت میں آئی۔ نیٹو کے ممالک نے سربیا کے فوجی ٹھکانوں اور ذرائع مواصلات پر بمباری کر کے اس کو مجبور کیا کہ وہ کوسود کو خالی کر دے۔ یہاں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ایک عارضی انتظامیہ قائم کی گئی جو امن و لمان، شہری سہولیات کی بحالی، معیشت کے استحکام اور الیکشن منعقد کرنے تک یہاں رہے گی۔ ان یورپی ممالک کے اصل عزائم کیا ہیں اور اقوام متحدہ کے پردے میں امریکہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس پر مختلف آراء ہیں مگر یہ رخ اس موجودہ مضمون میں زیر بحث نہیں۔

اس نئی صورت حال میں کچھ اس قسم کے حالات پیدا ہوئے کہ مجھے بھی کوسود آنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں چند ہفتے قیام میں جو کچھ محسوس کیا اس میں سب سے زیادہ قابل حیرت مقامی لوگوں میں اسلامیت کے جذبے کا اظہار ہے۔ ایک ایسا علاقہ جہاں سے اسلام ختم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی گئی کبھی قومیت کا ڈرامہ رچایا گیا کبھی تعلیمی اصلاحات کا سہارا لیا گیا۔ تقریباً چار نسلوں کو اسلام سے دور رکھا گیا۔ موجودہ وقت میں عام آدمی کو کلمہ بھی بمشکل آتا ہے اور پورا ماحول شراب نوشی، بے پردگی، اور لادینیت میں یورپ کی تصویر ہے وہاں پر ہر ترغیب و تحریص اور ظلم و تعدی کے باوجود ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا اللہ پاک کا ایک خصوصی فضل و احسان ہے۔

میں نے خود بھی معلومات جمع کیں۔ دوسرے دوستوں سے بھی گفت و شنید کی اور جو لٹریچر مہیا ہو سکا اسکو پڑھا۔ ہم سب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اور بہت سے دوسرے عوامل کے علاوہ جو سب سے اہم عنصر اس غیر معمولی استقامت کا باعث بنا ہے۔ وہ کوسود کے مسلمانوں میں شعائر اسلام کا وجود اور اسلام کیساتھ شناخت پر فخر ہے۔ وہ کام جو ہمارے ہاں ایک عام معمول سمجھے جاتے ہیں۔ اسکا احساس اس اجنبی فضا میں ہو جاتا ہے کہ یہی کام اور معمولات ان لوگوں کیلئے کفر و شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جانے سے بچنے کا باعث بن گئے ہیں۔ ایسی چند باتوں کا ذکر یہاں کرتا ہوں۔

۱۔ نام : خود حضور علیہ نے اچھے نام رکھنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عبدیت کے اظہار، حضور علیہ سے محبت، صحابہؓ اور دوسرے اکابرین سے تعلق، ہمارے ہاں اکثر ناموں سے ظاہر ہوتا ہے ان میں بہتر نام وہ ہیں جو عربی زبان میں ہوتے ہیں جس ملی وحدت کا تاثر عربی نام میں ہوتا ہے وہ ترجمہ میں کہاں ہو سکتا ہے! جہاں عبدالرحمان، محمد علی یا حمزہ سننے میں آیا۔ پہلا تاثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی قائم ہوا کہ مسلمان ہے اور یوں باہمی گفتگو اور تعلقات کی بنیاد پڑی۔

کمیونسٹ ممالک میں ایک منظم مہم چلائی گئی تھی کہ مسلمانوں کے نام تبدیل کئے جائیں ورنہ کم از کم ان کے مقامی زبانوں میں رکھے جائیں۔ قوم پرستی کے علمبرداروں نے ناموں کے انتخاب کیلئے اسلامی ناموں کے بجائے وطنیت کو بنیاد بنایا۔ بلکہ ترکی میں مصطفی کمال نے تو اسکے لئے باقاعدہ سرکاری فرمان جاری کئے۔

کوسوو میں جب اسلامی مدارس کو تالے لگائے گئے۔ علماء قتل ہوئے اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ بند ہوا تو مسلمان والدین نے اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھنے کا رواج ختم نہیں ہونے دیا۔ یہی بات ان کے اسلام پر قائم رہنے کا سبب بنا۔ آج جب کوسوو میں کسی اجنبی کو اپنے مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت دیتا ہے تو اپنے نام کی طرف بڑے فخر سے اشارہ کرتا ہے۔

۲۔ مساجد کے مینار : وقت کیساتھ ساتھ مینار ہر مسجد کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔ مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں میناروں کے مختلف ڈیزائن سامنے آچکے ہیں۔ ترکی میں عمومی طور پر ایک مینار اور بالائی حصہ مخروطی شکل کا ہوتا ہے۔ برصغیر ہندوپاک میں مینار کی گولائی زیادہ ہوتی ہے اور تعداد بھی ایک سے زیادہ ہوتی ہے۔ شمالی افریقہ میں گول میناروں کی جگہ مربع نما میناروں کا رواج عام ہے۔ بہر حال مینار مسجد کی شناختی علامت بن چکے ہیں۔ کوسوو میں کمیونسٹ دور میں نئی مساجد پر پابندی لگائی گئی تھی مگر ثقافتی ورثہ کے نام پر ترکی دور کی چند مساجد کو رہنے دیا گیا۔ مسلمانوں نے ان مساجد کو کسی نہ کسی طور سے آباد رکھا۔ جب تدریس اور پنج وقتہ نماز کا سلسلہ بند ہوا تو جمعہ کی نماز کا اہتمام ہوا۔ اس پر بھی قدغن لگا کر "عیدین" کی نمازیں سالانہ تہوار کی صورت میں یہاں پڑھائی جانے لگیں۔ اسطرح تمام تر نامساعد حالات کے باوجود یورپ کے قلب میں مسلمانوں نے اپنے وجود کو گم ہونے نہیں دیا۔ جیسے ہی یہ پابندیاں نرم ہوئیں یہ مساجد دوبارہ آباد ہوگئیں۔ شہر کی مسجدوں میں تو جمعۃ المبارک کو جگہ نہیں ملتی۔ مختلف عمارتوں کے مسلسل بڑھتے ہوئے ہجوم میں مسجدوں کی یہ خصوصی بناوٹ بر ملا دور دور سے ہر دیکھنے والے کو یاد دلاتی رہی کہ کوسوو امت مسلمہ کا حصہ ہے۔

۳۔ داڑھی : داڑھی رکھنا حضور ﷺ کی سنت مبارک ہے۔ بعض کم فہم حضرات نے اس کو بھی اپنی جاہلانہ ریسرچ کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ ان میں بعض حضرات اسکو صرف عرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایات کا حصہ سمجھتے ہیں اسلئے مذہبی حیثیت کا انکار کرتے ہیں۔ کسی علمی و فقہی بحث میں پڑے بغیر میں نے اپنے ترکی اور کوسوو کے دوروں میں یہ دیکھا کہ عام مسلمان بچے، بڑی داڑھی والے ہی کو مسلمان سمجھتے ہیں اور بجائے 'ھیلو' کے 'السلام علیکم' سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اسلام سے اتنی عملی دوری کے باوجود ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ بڑی داڑھی والے مسلمان ہوتے ہیں۔ تقویٰ کی بنیاد پر چلنے والی کسی بھی دینی تحریک کیلئے ضروری ہے کہ وہ شرعی داڑھیاں رکھیں اگر یہاں کے مسلمانوں میں کام کرنا ہے اور انکا اعتماد حاصل کرنا ہے۔

۴۔ السلام علیکم کہنا : ایک روایت میں آتا ہے کہ 'السلام علیکم' کو رواج دو یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔ یہاں کے مسلمان تقریباً چار نسلوں سے اسلام کے عملی احکام سے کٹے ہوئے ہیں۔ آپس میں ان کا رواج 'ھیلو' کا ہے مگر اجنبیوں اور غیر ملکیوں میں جن پر مسلمان ہونے کا گمان ہوتا ہے انکو بڑے شوق اور محبت سے 'السلام علیکم' کہتے ہیں۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ جن بچوں سے روز دفتر یا بازار جاتے ہوئے واسطہ پڑتا ہے وہ تو اب پہچان گئے ہیں اس لئے دوڑ کر آتے ہیں اور 'السلام علیکم' کہہ کر مصافحہ کرتے ہیں۔

۵۔ لباس : عمر رسیدہ خواتین اکثر اور چند مواقع پر نوجوان عورتیں بھی مکمل گاؤن اور سکارف پہنے ہوئے نظر آتی ہیں اسطرح بعض مرد حضرات یہاں کی مقامی ٹوپی پہنتے ہیں۔ یہ ترکی ٹوپی کی طرح ہوتی ہے مگر اس کا رنگ سفید ہوتا ہے اور اسکے اوپر پھندنا بھی نہیں ہوتا۔ یہ لباس ان سب کے اچھے مسلمان ہونے کا اظہار ہے۔

۶۔ وسیع گھرانے : خاندانی منصوبہ بندی ہماری ہر حکومت کا پروگرام رہا ہے۔ بیرون ملک کے مختلف ادارے بھی صبح و شام یہی راگ الاپتے ہیں کہ آبادی کم کرو ورنہ بھوک سے ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ سبق اتنی شدت سے پڑھایا جا رہا ہے کہ یورپ میں لوگوں نے بچے جنم دینا بند کر دیئے ہیں۔ کتوں اور بلیوں سے تو محبت بڑھ رہی ہے مگر بچوں کا وجود نا قابل برداشت بن گیا ہے۔

مارشل ٹیٹو نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمان اکثریت کا خاتمہ کیا جائے مگر یہاں کے مسلمانوں نے آبادی میں اضافہ کے بارے میں انکی کسی بھی پابندی کو در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ یوگوسلاویہ کی حکومت کو ہمیشہ یہ پریشانی رہی کہ قتل و غارت، جبری انخلاء اور وسیع نقل مکانی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کی رفتار عیسائیوں کے مقابلے میں ہمیشہ دگنی رہی۔ یہ اس امر کے باوجود کہ باہر سے لاکھوں سربوں کو یہاں لاکر آباد کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے سو سال پہلے بھی مسلمان 90 فیصد تھے اور آج بھی انکی یہی اکثریت بر قرار ہے۔ پھر یہاں کے لوگوں کی اپنے بچوں سے محبت بھی ضرب المثل ہے بڑے خاندانوں کے اس رواج نے استحصال کے دور میں ان کو معاشی طور سے بھی خود کفیل رکھا۔ گھر میں کوئی نہ کوئی فرد ملازمت کرتا ہے۔ بیرون ملک سے رقم بھیجتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے یا زراعت میں مشغول ہوتا ہے۔ اسطرح مشکل اوقات میں پورا خاندان بلکہ پورا گاؤں مصیبت زدہ افراد کا سہارا بنتا ہے۔ اگر خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم کامیاب ہو جاتی تو آج کو سوو میں مسلمان ایک بے نام اقلیت میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔

۷۔ قبرستان : مسلمانوں نے اپنے قبرستان عیسائیوں سے علیحدہ رکھے۔ نماز جنازہ کا بھی اہتمام ہے۔ اگرچہ نمازیوں کی تعداد مختصر ہوتی گئی۔ پختہ قبروں کے سرہانے چاند یا مسجد کا مینار ان کی شناخت رہی۔ کمیونزم کی پوری تاریخ اس سوال کا جواب نہیں دے سکی۔ کہ انسان کا اپنے ان لوگوں سے جنکا ساتھ انکا ایک جذباتی تعلق ہے مرنے کے بعد کیا سلوک کرے۔ جہاں ہر چیز نفع و نقصان کے پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہاں تجہیز و تکفین بذات خود ایک "غیر پیداوری" سرگرمی ہے۔ کوسوو کے مسلمانوں نے ان جذباتی رشتوں کا ہمیشہ احترام کیا اور کسی کی وفات کی صورت میں پورے احترام کیساتھ ان کو سپرد خاک کیا۔ یہی اجتماعی عبادت انکے کمیونسٹ بننے میں پورے سو سال سد راہ بنی رہی۔

آخری گزارش : اس تاثر کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب کی ہر چھوٹی بڑی بات کی قدر کریں۔ انکو عملاً نافذ کریں اور اپنے ماحول میں رواج دیں۔ جو بے دینی کی فضا چل رہی ہے اور ڈش کے ذریعے ہر گھر میں داخل ہو چکی ہے۔ وہاں اسلام کی شہادت دینے کیلئے ہمارے نام، لباس، رہن سہن، اور روزمرہ کی عام زندگی اسلامی تعلیمات سے عبارت ہو۔ یہی ہمارا امتیازی نشان اور مسلمان ہونے کی شناخت ہے۔

☆☆☆-----------☆☆☆

© rasailojaraid.com